## نقد واستدراک

# مولانا ابوالکلام آزاد

(۱)

مکرمی جلال الدین صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ فقہ اکیڈمی کے حیدرآباد کے سیمینار میں نہیں آئے اور آپ سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس تو رہا ہی لیکن اس تعلق سے ایک شکایت بھی ہے۔ جس پر تفصیلی گفتگو مطلوب ہے۔ جو کبھی زبانی ہی ہو سکے گی۔ دیکھئے اس کا موقع کب ملتا ہے؟

میں سیمینار سے فارغ ہوکر رائچور چلا گیا تھا۔ وہاں سے ۱۶ر کو یہاں واپس ہوا تو تحقیقات کا اپریل۔جون کا شمارہ آیا ہوا تھا۔ ماشاءاللہ اس کا معیار بلند ہوتا جارہا ہے مضامین میں تنوع اور لکھنے والوں کا دائرہ وسیع ہوتا جارہا ہے۔ آپ کا 'حرفِ آغاز' تو خاصے کی چیز ہوتا ہی ہے۔ (گو اس دفعہ کے شذرات اور ان کے عنوان میں کچھ اچھا معنوی ربط محسوس نہیں ہوا۔)

اب خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لیجیے۔ اس کا موضوع ہے عبدالمغنی صاحب کا مضمون "مولانا ابوالکلام آزاد کی عظمت" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پروفیسر اقتدار حسین کا مضمون اور پھر ڈاکٹر سید عبدالباری صاحب کا نہایت اعلیٰ درجہ کا مضمون شائع کرنے کے بعد اس مضمون کے شائع کرنے کی کیا تک تھی؟ اس لیے کہ یہ میرے خیال میں تحقیقات کے معیار سے فروتر ہے۔

صاحب مضمون نے آغاز مولانا آزاد کی وفات پر مولانا مودودیؒ کے تعزیتی پیغام کے اس فقرہ سے کیا ہے کہ "مولانا آزاد ایک اعلیٰ ظرف کے انسان تھے" سوال یہ ہے کہ کسی کو اعلیٰ ظرف انسان تسلیم کرنے کے یہ معنی کیسے ہو سکتے ہیں کہ "ایک انسان اور عالم دین کی حیثیت سے مولانا مودودی کی نگاہ میں مولانا آزاد کی قدر اتنی زیادہ ہے کہ انھوں نے مولانا آزاد کو ایک اعلیٰ ظرف کا انسان تسلیم کیا" عالی ظرفی کی صفت علم دین ہونے کو کب سے متلزم ہو گئی؟ اسی تضیہ پر عبدالمغنی صاحب نے اپنے مضمون کی بنیاد

رکھی ہے۔

صفحہ ۸۹ پر عبدالمغنی صاحب نے لکھا ہے کہ "مولانا مودودی نے بھی مسلم لیگ کی قرارداد مقاصد کی ترتیب میں تعاون کیا" میں نہیں کہہ سکتا کہ اس قرارداد مقاصد سے کون سی قرارداد مراد ہے۔ تاریخ میں جو قرارداد مقاصد (Objective Resolution) معروف اور مشہور ہے وہ تو وہ ہے جو پاکستان بن جانے کے بعد ۱۹۴۹ء میں علماء پاکستان کی مشترکہ کوششوں اور ان کے زبردست دباؤ سے پاکستان کی مجلس دستور ساز نے منظور کی جس کے ذریعہ بقول مولانا مودودیؒ حکومت پاکستان کا قبلہ متعین ہوا" اور علماء کی اس تحریک کے سرخیل مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا مودودی مرحومین تھے۔ میں نے اس کے علاوہ کسی اور قرارداد و مقاصد کے بارے میں کہیں نہیں پڑھا۔ یہ وہی قرارداد مقاصد ہے جو جب منظور ہو گئی تھی تو دستور کے ابتدائیہ Preamble کے طور پر اسے دستور میں ٹانکا گیا تھا۔ لیکن بعد میں ضیاء الحق مرحوم نے اپنے دور صدارت کے آخر میں اسے جزو دستور (غالباً دفعہ ۲) بنا دیا۔

اس سلسلہ میں مجھے یہ بھی یاد آتا ہے کہ ریڈئنس کے لیے اپنے ایک مضمون میں بھی عبدالمغنی صاحب نے قرارداد مقاصد کا ۱۹۴۹ء کے سیاق سے ہٹ کر تذکرہ کیا تھا۔ اتفاق سے اس مضمون کے وصول ہونے کے بعد جلدی ہی وہ دہلی آئے اور مجھ سے ملاقات ہوئی تو میں نے اس بارے میں ان سے گفتگو کی گو وہ پوری طرح قائل نہیں ہوئے لیکن میں نے ان کے مضمون میں اس مقام پر مناسب تبدیلی کر کے ہی مضمون کو ریڈئنس میں شائع کیا تھا اور اس پر انھوں نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔

صفحہ ۹۰ کا دوسرا پیریگراف جو "اس تناظر میں یہ بلاشبہ مولانا آزاد کی بصیرت و عزیمت کی دلیل ہے ...." سے شروع ہو کر صفحہ ۹۱ پر "جس کے نادان طلباء نے کبھی ان کے ساتھ انتہائی بدتمیزی کی تھی" پر ختم ہوتا ہے کوری عقیدت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس پیریگراف میں جتنے دعوے ہیں وہ سب بلا دلیل و ثبوت اور نری لفاظی ہیں جن کے لیے نہ تو کوئی ثبوت دیا گیا ہے اور نہ ہی مولانا آزاد پر جو کچھ مواد اب تک شائع ہوا ہے اس میں کہیں ان کی تائید میں کوئی ثبوت ملتا ہے اور سب سے زیادہ مضحکہ خیز تو یہ دعویٰ ہے کہ "انھوں نے اس علی گڑھ مسلم یونیورسٹی تک کے تحفظ کا سامان کیا، جس سے ایک زمانہ میں ان کو نظریاتی اختلاف رہا تھا"۔ مرحوم نے جس طرح اس یونیورسٹی کے تحفظ کا سامان کیا اس کا زندہ جاوید ثبوت علی گڑھ

مسلم یونیورسٹی ایکٹ میں ۱۹۵۱ء میں کی گئی وہ ترمیم ہے جس کے ذریعہ یونیورسٹی کورٹ کی رکنیت اور وائس چانسلری کے لیے مسلمان ہونے کی شرط اڑادی گئی۔ یہ مولانا آزاد کے وزیر تعلیم اور ذاکر حسین صاحب کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلری کے دور کی بات ہے۔ مولانا آزاد نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تحفظ کا سامان کیا یا اس سے انتقام لیا جس کے طلباء نے ان کے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔ تاریخ اس کا فیصلہ کر چکی ہے۔

اسی صفحہ ۹۱ پر مولانا آزاد کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ "گزشتہ صدی میں اسلام اور مسلمانوں کے فروغ میں مولانا آزاد نے جو خدمات انجام دیں وہ دوسرے کسی مسلمان سے کم نہیں تھیں" یہ بات صحیح تو ہے لیکن صرف ۱۹۲۰ء یا زیادہ سے زیادہ ۱۹۲۲ء تک کے مولانا آزاد کے بارے میں۔ اس کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے فروغ میں مولانا آزاد کا بالکل کوئی Contribution نہیں ہے۔ بلکہ معاملہ کچھ الٹا ہی نظر آتا ہے۔

صفحہ ۹۵ پر موصوف کا کہنا ہے کہ "واقعہ یہ ہے کہ مولانا نے انانیت پرستوں سے الگ اپنی ایک ایسی راہ نکالی ہے جسے دوسرے لفظوں میں اقبال کی خودی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے" میں باوجود کوشش کے اپنے قلم کو یہ لکھنے سے روک نہیں پا رہا ہوں کہ یہ ایک یکسر لغو اور مہمل تعبیر ہے۔ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ عبد المغنی صاحب جو اقبال پر اتنی اچھی نظر رکھتے ہیں (میرے علم کی حد تک ہند و پاک میں کم ہی اس میدان میں ان کی ہمسری کر سکتے ہیں) وہ ایسی سطحی بات کیسے کہہ گئے۔ کہاں اقبال کا نہایت ارفع و اعلیٰ فلسفہ خودی اور کہاں مولانا آزاد کی خالص زمینی انانیت۔ دونوں کے درمیان تو آفتاب اور ذرہ کی نسبت بھی نہیں۔

صفحہ ۹۶ پر پہلے پیراگراف کے ختم پر ماہر القادری مرحوم کے لیے یہ جملہ کہ "نہ ان کا کردار مولانا کی سیرت سے زیادہ معتبر تھا" بالکل غیر ضروری اور ثقاہت سے گرا ہوا ہے۔ تحقیقات میں ہرگز یہ جملہ شائع نہیں ہونا چاہیے تھا۔ مجھے اس فقرہ کے تحقیقات میں شائع ہو جانے پر بہت رنج ہے۔ آپ کو لازماً اسے حذف کر دینا چاہیے تھا۔

صفحہ ۹۷ پر یہ دعویٰ کہ "آج ملک میں مسلمانوں کے ملّی وجود کی جو کچھ شناخت ہے وہ سب سے زیادہ مولانا آزاد کی کوششوں کی مرہون منت ہے"۔ اور صفحہ ۹۹ پر یہ کہ "کم از کم آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی تعمیر و ترقی میں مولانا آزاد کا حصہ بلا استثناء برصغیر کے کسی بھی رہنما سے کم نہیں" یہ دونوں دعوی بھی اتنے ہی کھوکھلے اور بے بنیاد و بلا ثبوت ہیں جتنے وہ جو صفحہ ۹

تا صفحہ ۹۱ پر ہیں جن پر میں نقد کر چکا ہوں۔

صفحہ ۱۰۰ پر یہ دعویٰ کہ انھوں نے اپنے اسلامی نظریہ حیات کو کبھی ترک نہیں کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ہمیشہ ایک نرے سیاست داں کے بجائے ایک عالم دین کی روش پر قائم رہے ..... ایک سیکولر ڈیموکریسی کے اعلیٰ منصب پر فائز رہتے ہوئے بھی ایک مسلمان بلکہ اسلامی قائد کی حیثیت سے زندگی بسر کی .....“ آزاد ہند کے بعد کا مولانا آزاد کا دورِ حیات تو میں نے بھی دیکھا ہے اور عبدالمغنی صاحب نے بھی اور لاکھوں ہندو اور مسلمان اب بھی زندہ ہیں جنھوں نے دور و نزدیک سے مولانا آزاد کو اس دور میں دیکھا ہے۔ ان میں سے کتنے ہوں گے جو عبدالمغنی صاحب کی اس بات کی تائید کرتے ہیں ؟ ایک فی صد مشکل سے !

آپ کا مضمون کے آغاز میں یہ نوٹ لکھ دینا کہ ”پروفیسر عبدالمغنی صاحب نے ایک دوسرے رخ سے مولانا کی سوانح حیات کا مطالعہ کیا ہے۔ لسے بھی ایک نقطۂ نظر کی حیثیت سے ذیل کے صفحات میں دیا جا رہا ہے“ کسی طرح بھی اس مضمون کو تحقیقات میں شائع کرنے کے لیے جواز فراہم نہیں کر سکتا۔

البتہ مولانا آزاد کی اعلیٰ ظرفی کی بات جو مولانا مودودی نے کہی تھی اس کی تائید میں مولانا آزاد کا ایک خط نقل کرتا ہوں جو انھوں نے تقسیم ملک کے بعد سرگودھا کے ایک صاحب کو مسئلہ مہدی پر ان کے ایک استفسار کے جواب میں لکھا تھا۔ استفسار کرنے والے صاحب نے اس مسئلہ پر مولانا مودودی کی رائے کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا آزاد کی رائے معلوم کی تھی۔ خط کا متن حسب ذیل ہے :۔

” کنگ ایڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی

۱۱-۴-۱۹۵۷ء

عزیزم۔ وعلیکم السلام

گلہ عدم توجہی و شکایت بے التفاتی بجا۔ مگر کیسے کہوں اور کیا !

کس نمی فہمد زباں ادا    بہ عزیزاں چہ بیاں کنم

منصب افتاء کی ذمہ داریوں سے دامن ہمیشہ الگ رکھا۔ استفسار کے لیے کسی صاحب منصب کی طرف راجع ہونا چاہیے تھا۔ میری رائے

میں مسئلہ مہدی کا اقرار و انکار برابر اور امور ایمانیہ سے خارج ہے۔ مزید توضیح کے لیے "تذکرہ" دیکھیں۔

مولانا ابوالاعلیٰ کی خدماتِ جلیلہ سے امت مسلمہ کبھی صرف نظر نہیں کر سکتی کہ ایسے کارہائے نمایاں تجدید اسلام کے ہر باب و فصل کے لیے سرمایہ افتخار و بہ درجہ عنوان ہیں۔ مولانا گلشن حق کے ان لالہ و سنبل میں سے ہیں جن کی خوشبو سدابہار، ہمیشہ تعفن باطل کو مغلوب کر کے طالبانِ حق کے دل و دماغ کو معطر کرتی رہتی ہے اور جسے فنا نہیں۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ابوالکلام "

مظفر حسین غزالی صاحب کے مضمون "مولانا عبدالماجد دریابادی کی اردو اور انگریزی کی تفسیری خدمات" میں صفحات کے نمبر غلط ہو گئے ہیں ص۵ کے بعد ص۳ اور پھر ص۶ پڑھنا پڑتا ہے۔ اس مضمون کے صفحہ ۷ کے دوسرے پیراگراف کا آخری جملہ ..."کسی بھی غیر عرب پیمانے سے ناپنے کا مطالبہ کرنا خود اپنے جہل اور نامعقولیت کا مظاہرہ کرنا ہے"۔ ایک تو یہ کہ اس جملہ کی اردو غلط ہے "ناپنے کا مطالبہ کرنا" کی بجائے "ناپنے کی کوشش کرنا" ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ یہ جملہ ہی غیر معیاری اور ثقاہت سے گرا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

صفحہ ۸ پر لکھا ہے "تفسیر ماجدی پر اہل علم کی طرف سے بعض اعتراضات بھی ہوئے ہیں" اور اس کے بعد صرف ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے ایک اعتراض کو نقل کیا ہے[1]۔

---

[1] ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے دو اعتراضات نقل ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ سورہ نساء کی آیت ۳۴ میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے لفظ 'نشوز' کا ترجمہ نافرمانی اور آیت ۱۲۸ میں سختی کیا ہے۔ یہ دو ترجمے کیوں کیے گئے؟ دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں نشوز کے معنی فحش اور بدکاری بتائے ہیں، اس طرح اس کے معنی متعین ہو گئے ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کیا زیر بحث آیت میں بھی یہی معنیٰ مراد ہیں؟ عام طور پر مفسرین نے سیاق و سباق کی روشنی میں یہاں نافرمانی ہی مراد لی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس کا ترجمہ بد دماغی اور مولانا مودودیؒ نے سرکشی کیا ہے۔ جہاں تک آیت ۱۲۸ کا تعلق ہے اس میں بھی 'نشوز' کا ترجمہ مولانا تھانویؒ نے =

حالانکہ اردو تفسیر ماجدی پر مولانا عامر عثمانی مرحوم نے 'تجلی' کے کئی شماروں میں بالاقساط گرفت کی ہے اور اس کا کوئی ذکر یہاں نہیں ہے جبکہ تفسیر ماجدی پر کوئی تبصرہ مولانا عامر عثمانی مرحوم کی اس پر نقد و گرفت کے حوالہ کے بغیر وقیع اور قابل لحاظ ہو ہی نہیں سکتا۔

پروفیسر اقتدار حسین صاحب کا مضمون دلچسپ اور معلوماتی ہے اور تحقیقی بھی لیکن موضوع کا تعلق اسلامیات سے نہیں ہے۔ محض عنوان میں لفظ اسلامی کی وجہ سے 'تحقیقات اسلامی' میں اس کی اشاعت کا جواز پیدا کیا گیا ہے[۱]۔ ویسے اس مضمون میں ص۸۰ پر ۲۵ کے تحت انگریزی مقالہ کے عنوان کا آخری لفظ Religion غلط کتابت ہو گیا ہے اسے Regime (یا Reign) ہونا چاہیے تھا۔

جرح و تعدیل پر ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی صاحب کا مضمون خوب ہے اور ہم جیسے کم علموں کے لیے بہت معلومات آفریں۔ کاش اس کا اسلوب نگارش بھی اس کے شایان شان ہوتا۔

اچھا ایک بات تو بتائیے (غالباً اس بارہ میں آپ کو پہلے بھی لکھ چکا ہوں) یہ آج کل کے مضمون نگاروں کو یا پھر کاتبوں کو 'انہیں' اور 'ان ہی' (یا انہی) کا فرق کیوں یاد نہیں رہا ہے؟ ادھر کافی دنوں سے میں اچھے معیاری اخبار و رسائل و جرائد میں دیکھ رہا ہوں کہ جہاں بہ اعتبار سیاق 'اُن ہی' (یا انہی) املا ہونا چاہیے وہاں بالالتزام 'انہیں' املا ہو رہا ہے۔ تحقیقات میں تو نہ ہو۔ بڑی الجھن ہوتی ہے[۲]۔ بقیہ مضامین ابھی دیکھے نہیں ہیں۔

---

= بد دماغی ہی کیا ہے اور مولانا مودودیؒ نے اس کا ترجمہ بدسلوکی کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا دریابادی کے ترجمہ کو یہی نہیں کہ غلط نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہی ترجمہ صحیح ہے جب کہ خود ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ لغت میں اس کے ایک معنی نافرمانی کے بھی آتے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ آیت ۱۲۸ میں مولانا دریابادیؒ نے نشوز کا ترجمہ سختی کیوں کیا ہے؟ مرد کے نشوز اور عورت کے نشوز کے فرق کو سمجھانے کے لیے انھوں نے غالباً دو مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں۔ (جلال الدین)

[۱] پروفیسر اقتدار حسین صاحب نے اپنے علمی مقالہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ تاریخی طور پر اسلام کی تعلیم اور اس کی دعوت و تبلیغ کے لیے اردو زبان کا استعمال کس طرح شروع ہوا اور پھر اس نے کیسے ترقی کی، یہ اردو ادب کا بھی موضوع ہو سکتا ہے لیکن اس سے زیادہ اسلامیات کا موضوع ہے اسی پہلو سے تحقیقات اسلامی میں اس کی اشاعت عمل میں آئی ہے (جلال الدین)

[۲] املا کی بعض اور غلطیوں کی طرح یہ غلطی بھی بری طرح کھٹکتی ہے۔ مضامین دیکھتے وقت کبھی کبھی نگاہ چوک جاتی ہے اور اصلاح نہیں ہو پاتی۔ (جلال الدین)